بسم اللہ الرحمن الرحیم

تصوف اور بے عملی

سید علیم اشرف جائسی

تعطلی اور بے عملی تصوف پر ایک ایسی تہمت ہے جو ایک خاص حلقے میں بغیر کسی تحقیق و تدقیق کے تسلیم کر لی گئی ہے، اور اسے ایسی شہرت ملی ہے کہ بعض پڑھے لکھے حضرات بھی اس سے متأثر نظر آتے ہیں۔ جب کہ حقیقت یہ ہے کہ تصوف پر یہ تہمت دلیل کم نظری کے سوا کچھ نہیں ہے۔ اس کا ایک سبب تو یہ ہے کہ ہمارے یہاں کا تعلیم یافتہ اور نام نہاد دانشور طبقہ عربی زبان سے نابلد ہونے کے سبب تصوف اور تاریخ تصوف کو ان کے حقیقی مصادر کے ذریعہ جانتا نہیں ہے لیکن بعض خاص اسباب کی بنا پر چونکہ تصوف کے خلاف لکھنا ''دانشوری'' کی علامت بن گیا ہے لہذا جسے بھی لکھنا آیا وہ اس موضوع پر خامہ فرسائی کو اپنے فرائض منصبی کا حصہ سمجھتا ہے۔

دوسرا سبب یہ ہے کہ پنجاب سے بنگال تک پھیلی ہوئی خانقاہیں عموما اقبال کے اس شعر کا مصداق ہیں کہ:

میراث میں ہاتھ آئی انہیں مسند دستار
زاغوں کے تصرف میں عقابوں کا نشیمن

لیکن زاغ (کوّا) کے احکام کو عقاب پر جاری کرنا نہ علم و دانش کے تقاضوں سے ہم آہنگ ہے اور نہ شاعر مشرق ڈاکٹر اقبال کی فکر سے، جس کے حوالے سے یہ نام نہاد دانشور اکثر تصوف کو متہم کرنے کی کوشش کرتے رہتے ہیں۔ یہ بالکل ایسا ہی ہے جیسے کوئی بعض فقہائے زمانہ کی تنقید پر مشتمل انکے اشعار کو ہر دور کے فقہاء اور ائمۂ مجتہدین پر چسپاں کرنے کی کوشش کرے، مثلا:

خود بدلتے نہیں قرآں کو بدل دیتے ہیں
ہوئے کس درجہ فقیہان حرم بے توفیق
یہی شیخ حرم ہیں جو چرا کر بیچ کھاتے ہیں
گلیم بوذر و دلق اویس چادر زہرا
قلندر جز دو حرف لا الہ کچھ نہیں رکھتا
فقیہ شہر قاروں ہے لغتہا ئے حجازی کا

تصوف پر یہ ایک ایسا بے بنیاد الزام ہے جس کے خلاف بے شمار داخلی اور خارجی شہادتیں موجود ہیں۔ تصوف تعطلی سے نہیں بلکہ حرکت وعمل سے عبارت ہے۔صوفیہ "رھبان فی اللیل و فرسان فی النھار" کی سچی تصویر تھے۔کیا تاتاری سیلاب کے سامنے باندھ بن جانے والے بے عمل ہو سکتے ہیں؟ کیا تاریک براعظم افریقہ اور ہندوستان کے ظلمت کدے میں ہر کوچہ وگام پر توحید کے چراغ جلانے والوں کو حرکت وعمل سے عاری قرار دیا جاسکتا ہے؟ کیا جزائر شرق الہند کے جنگلوں کو نغمۂ توحید سے آباد کرنے والوں کو تعطل وشکست خوردگی سے متصف کیا جاسکتا ہے؟ کیا چیچنا، داغستان اور انگوش میں تین صدیوں پر محیط جہاد کی تاریخ لکھنے والوں کے بارے میں یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان میں حرکت وعمل کی کوئی منظم روایت نہیں ملتی؟ کیا الجزائر میں فرانسیسی اور لیبیا میں اطالوی استعمار کے خلاف اپنے جہاد پیہم سے قرون اولی کے مجاہدین کی یاد تازہ کردینے والوں کو سکر، انفعالیت اور جمود سے متہم کیا جاسکتا ہے؟

صوفیہ کے حرکت وعمل اور نشاط وفعالیت کے ثبوت کے لئے صرف دعوت وتبلیغ کے میدان میں انکے گرانمایہ کارنامے ہی کافی ہیں، ایک ہندوستان میں اگر ہم دیکھیں تو کشمیر سے کنیا کماری اور گجرات سے آسام تک دعوت الی اللہ کا کام نہیں صوفیہ نے انجام دیا ہے۔شاید تبلیغ میں مسلمانوں کے بقیہ تمام طبقات کی حصہ داری ان صوفیہ کے عشر عشیر بھی نہ ہو، اور یہ ایک ایسی حقیقت ہے جو آرنلڈ کی کتاب Preaching of Islam[1] کے سرسری مطالعہ سے واضح ہے۔کیا تبلیغ ودعوت کی راہ میں ایسی بے نظیر جد وجہد کرنے والے جمود وتعطل کا شکار رہے ہونگے ؟ حقیقت تو یہ ہے کہ اگر مرکز وریاست میں قائم جابرانہ اور ملوکانہ نظام تبلیغ ودعوت کی راہ میں حارج نہ ہوتے ہوتے تو ان نفوس قدسیہ کے اخلاص وعمل نے ہندوستان کا نقشہ بدل دیا ہوتا۔

کیا خواجہ معین الدین چشتی متوفی ۶۳۳ھ اور شیخ احمد سرہندی متوفی ۱۰۳۴ھ کی جد وجہد کو نظر انداز کے اسلامیان ہند کی کوئی تاریخ لکھی جاسکتی ہے اگر اول الذکر نے اپنی شعلہ نفسی سے لاکھوں قلوب کو مسخر کیا تو دوسرے نے ملوکیت کی طاغوتی طاقتوں کو سرنگوں کیا۔اور اپنے مجاہدانہ کردار وعمل سے ایسی فضا پیدا کی کہ بابر سے شروع ہونے والا جو سلسلہ بد سے بدتر کی طرف رواں دواں تھا وہی جہانگیر کی ذات پر آکر بہ سے بہتر کی طرف گامزن ہوگیا۔

جسٹس محمد کرم شاہ ازہری، حضرت چشتی کی مجاہدانہ سرگرمیوں کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

> ''سجستان کا ایک درویش تبلیغ اسلام کے جذبے سے سرشار ہوکر اپنے وطن کو چھوڑتا ہے، اپنے اقارب واحباب کو الوداع کہتا ہے، اپنی منقولہ اور غیر منقولہ املاک سے دست کش ہوتا ہے اور تنہا بتکدۂ ہند کا رخ کرتا ہے، یہاں بھی کئی ایسے گوشے تھے جہاں اسلام نے اپنے قدم جمالئے تھے، لیکن اس کے حوصلے کی بلندی اور اس کے عزائم کی پختگی اور اس کے جوش کی جولانی اسے راجپوتانہ کے اس علاقے میں لے جاتی ہے جہاں کفر کی کالی

(۳) The Encyclopaedia of Britanica , (15 th ; Chicago : The Univrsity of

رات چھائی ہوئی ہے۔ ایک آمر مطلق راجہ وہاں کا حکمراں ہے، وہ ظالم راجہ کی اس ریاست کے کسی دور افتادہ گوشہ کو اپنا مسکن نہیں بناتا، بلکہ اس کی راجدھانی میں جا کر اپنا مصلی بچھا دیتا ہے، ساری آبادی بت پرست ہے، اور اپنی مشرکانہ عقائد میں حد درجہ غلو رکھتی ہے، وہ اپنے ان معبودوں کے خلاف کوئی بات سننا گوارا تک نہیں کر سکتی، جگہ جگہ مندر موجود ہیں، بڑے بڑے برہمن ان لوگوں کے عقائد اور نظریات کی حفاظت کے لئے ہر قسم کے علوم وفنون سے مسلح ہیں، مسند حکومت پر تھوپی راج جیسا جابر، ظالم اور متعصب ہندو راجہ براجمان ہے، اس ناسازگار ماحول میں جو شخص حق کی دعوت دیتا ہے اور ہر قسم کے خطرات کے سامنے سینہ پر ہوتا ہے، اور پھر اسلام کے پرچم کو یوں لہراتا ہے کہ اسے صدیوں کے انقلاب بھی سرنگوں نہیں کر سکتے، وہ شخص کون ہوسکتا ہے؟ وہ ایک صوفی ہے تصوف کے رنگ میں اسکا ظاہر اور باطن، اس کا ذہن، اس کا دل، اسکی سوچ اور اس کا نطق سب رنگے ہوئے ہیں کیا ایسے شخص کے بارے میں آپ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس کی تعلیمات قوائے عمل کو مفلوج کر دینے والی ہیں، وہ رزمگاہ حیات سے فرار کا راستہ بتاتا ہے''(۲)

جب تاتاری طوفان کی حشر سامانی اور رستہ خیزی نے تمام عالم اسلام کو تہہ وبالا کر دیا تھا، عروس البلاد بغداد پوری طرح سے تخت وتاراج ہوگیا تھا، مسلمان یاسیت وناامیدی کے سمندر میں غوطہ زن تھے، اور ان کے دلوں میں تاتاریوں کا خوف اور ان کے ناقابل تسخیر ہونے کا یقین ایسا راسخ ہوگیا تھا کہ اس نے عربی زبان میں اس مثال کا اضافہ کر دیا اور ہمیشہ کے لئے اسے اسے زبان کا حصہ بنا دیا کہ "اذا قيل لك ان التتار انهزموا فلا تصدق" یعنی اگر تم سے کہا جائے کہ تاتاریوں کو شکست ہوئی ہے تو ہرگز یقین نہ کرنا۔ اس ہوش ربا ماحول میں انہیں صوفیہ کی جرأت ایمانی نے حالات کا نقشہ بدل دیا، اور عالم اسلام کو فتح کرنے والوں کے دلوں کو فتح کرلیا، بلکہ انھیں ابرہان وقت کو کعبے کا پاسبان بنا دیا۔ ہلاکوں کا بیٹا تگودار خاں ایک خراسانی قادری صوفی کی مساعی جمیلہ سے پہلے خفیہ طور پر اور پھر علی الاعلان حلقہ بگوش اسلام ہوگیا۔ تگودار خاں کا اسلام صوفیہ کی جواں مردی اور ہمتِ رندانہ کی ایک رنگین ودلنشین داستان ہے۔ ہلاکو کا عم زاد برکہ خاں بھی ایک صوفی شمس الدین باخوری کے ہاتھوں مشرف بہ اسلام ہوا۔ قسطنطنیہ کی فتح اسلامی فتوحات کی تاریخ میں ایک سنگ میل کی حیثیت رکھتی ہے، اس عظیم الشان جہاد کے لئے سلطان محمد فاتح کو آمادہ کرنے میں ان کے شیخ طریقت عاق شمس الدین کی جدوجہد اور ترغیب ہی بنیادی محرک تھی۔

کیا اب بھی یہ نام نہاد ''دانشوری'' ان پاک نہاد پر جمود وتعطل الزام لگانے کا کوئی جواز رکھتی ہے؟ صوفیہ کی سعی وعمل اور مجاہدہ وجہاد کی روایت تو اس قدر منظّم اور مسلسل ہے کہ بیگانوں کی نگاہ سے بھی پوشیدہ نہیں، پروفیسر گب (A.R.Gibb) کہتے ہیں کہ:

''تاریخ اسلام میں بارہا ایسے مواقع آئے ہیں کہ اسلام کے کلچر کا شدت سے مقابلہ کیا گیا لیکن بایں ہمہ وہ مغلوب نہ ہوسکا اس کی بڑی وجہ یہ ہے کہ تصوف یا صوفیہ کا انداز فکر فورا اس کی مدد کو آجاتا تھا اور اسے اتنی قوت وتوانی بخش دیتا تھا کہ کوئی طاقت اس کا مقابلہ نہ کرسکتی تھی''(۳)

ابھی ماضی قریب میں مغربی استعمار ونوآبادیات کے خلاف جہاد کی بیشتر مہمات کی قیادت صوفیہ نے ہی کی ہے، امیر عبدالقادر جزائری متوفی ۱۸۸۳ھ کے مجاہدانہ کارناموں سے ایک عالم واقف ہے لیکن کم ہی لوگ اس حقیقت سے واقف ہونگے کہ وہ جتنے بڑے مجاہد تھے اتنے ہی بڑے صوفی اور شیخ طریقت بھی تھے۔ ان کی کتاب ''المواقف'' علم تصوف میں انکے مقام ومنزلت کی شاہد عدل ہے(۴) انہوں نے اپنے مریدین ومعتقدین کے ساتھ سترہ سال تک فرانسیسی حملہ آوروں کے خلاف جہاد وفداکاری کا وہ نمونہ پیش کیا جس کی کوئی مثال متاخر صدیوں میں نہیں ملتی ہے۔ جلاوطنی کی زندگی دمشق میں گذاری اور تادم وفات ''جہاد اکبر'' یعنی مجاہد نفس اور بندگان خدا کے قلوب کے تزکیہ میں مصروف رہے۔ اور حسب خواہش شیخ اکبر کے جوار میں مدفون ہوئے۔(۵)

امیر شکیب ارسلان اپنی کتاب ''حاضر العالم الاسلامی'' میں امیر عبدالقادر کے بارے میں لکھتے ہیں کہ:

"وكان المرحوم الامير عبد القادر متضلعا من العلم و الادب ، سامى الفكر ، راسخ القدم فى التصوف ، لا يكتفى به نظرا حتى يمارسه عملا ، و لا يحن اليه شوقا حتى يعرفه ذوقا ، و له فى التصوف كتاب سماه (المواقف)، فهو فى هذا المشرب من الافراد الافذاذ ربما لا يوجد له نظير فى المتأخرين " (٦)

(امیر عبدالقادر مرحوم علم وادب میں دسترس رکھنے والے، عالی نظر اور تصوف میں بلند پایہ تھے، صرف نظری اعتبار سے نہیں بلکہ عملی اعتبار سے بھی صوفی تھے، صرف شوق کے ہی نہیں بلکہ ذوق کے بھی صوفی تھے فن تصوف میں ''مواقف'' کے نام سے ان کی ایک کتاب ہے۔ وہ ایسے منفرد اور یکتائے روزگار صوفی تھے کہ متاخرین میں شاید ان کی کوئی مثال نہ ملے)

چیچنیا اور اسکے آس پاس کے علاقوں میں اٹھارہویں صدی کے اواخر سے روسی آمر اسٹالن کے زمانے تک مسلمانوں نے جہاد وقربانی کی ایک طویل تحریک چلائی ہے، اور اس کی قیادت سلسلۂ نقشبندیہ کے صوفیہ اور مشائخ کے ہاتھوں میں تھی۔ شیخ غازی محمد متوفی ۱۸۳۲ء، شیخ حمزہ بے اور شیخ شامل وغیرہ اس جہادی تحریک کے قائدین میں سے تھے یہ حضرات علوم حربیہ اور علوم قلبیہ دونوں میں یکساں طور پر مہارت رکھتے

تھے۔امام شامل کا نام تو ربع صدی تک روسیوں کے لئے خوف ودہشت کا مترادف بن گیا تھا۔ایک موقع پر امام شامل جب روسی فوج کے کمانڈر جنرل سے ملنے کے لئے گئے تو اس نے آپ کو مرعوب ومتاثر کرنے کے لئے بڑے تزک واحتشام کے ساتھ اپنا دربار سجایا اور امام شامل سے کہنے لگا کہ میری عظمت کا یہ حال ہے کہ میرے اور خدا کے درمیان سوائے قیصر کے اور کوئی ذات نہیں، امام شامل نے مسکراتے ہوئے جواب دیا کہ اس لحاظ سے تو ہر مسلمان تجھ سے زیادہ عظیم ہے کیونکہ اس کے اور خدا کے درمیان کوئی نہیں ہے۔

آخری عہد میں ہی سیدی احمد شریف سنوسی کی ذات تصوف اور جہاد کی جامعیت کا شاہ کار تھی، اطالویوں کا خیال تھا کہ وہ طرابلس اور برقہ پر پندرہ دن میں قبضہ کرلیں گے، انگریز جنرلوں نے اسے اطالویوں کی جنگی ناپختگی قرار دیتے ہوئے اس مہم کو سر کرنے کے لئے تین ماہ کا وقت تجویز کیا، لیکن سلسلۂ سنوسیہ کی بے مثال مزاحمت اور زبردست مدافعت نے ان سارے خیالات واندازوں کو نقش برآب بنادیا، اور اطالویوں کو لیبیا کے ان دونوں شہروں پر قبضہ کرنے میں پورے پندرہ سال لگ گئے، اور ۱۹۵۹ء میں لیبیا کی آزادی تک سنوسی صوفیہ کا جہاد کسی نہ کسی شکل میں جاری وساری رہا۔

۱۔ T.W. Arnold, The Preaching of Islam, Low Price Publication, Delhi: Second Edition (Reprinted), 1990

۲۔ مقدمہ کشف المحجوب، مرجع سابق، ۳۸، ۳۹

۳۔ نفس مرجع، ۴۲

۴۔ عبدالقادر جزائری، المواقف، مطبعۃ الشباب، مصر: ۱۳۴۴ھ

۵۔ Syed Alim Ashraf, Tasawwuf, le coeur vivant de l'Islam, Translation: Swaleh Mahabeer, 1st Edition Port Louis (Mouritius): 1999, 48

۶۔ منظور نعمانی (مرتب) تصوف کیا ہے،، سید ابوالحسن علی ندوی، ''اہل تصوف اور دینی جدوجہد''، کتب خانہ الفرقان لکھنؤ: ۱۹۸۱ء، ۱۲۰

تصوف

حقیقت اور ضرورت

قرآن مقدس نبی کریم ﷺ کی بعثت کا مقصد بیان کرتے ہوئے ارشاد فرماتا ہے کہ: ''لقدمن الله على المؤمنين اِذبعث فيهم رسولا من أنفسهم يتلو عليهم آياته ويزكيهم و يعلهم الكتاب و الحكمة'' (آل عمران: ۱۶۴)، بیشک اللہ تعالی نے مومنین پر احسان فرمایا کہ انکے درمیان انھیں میں سے ایک رسول بھیجا جوان پر اسکی آیات کی تلاوت فرماتا ہے، انھیں پاک کرتا ہے، اور کتاب وحکمت کی تعلیم دیتا ہے۔ آیت مذکورہ میں سہ گانہ کار نبوت کا ذکر کیا گیا ہے، (۱) تلاوت آیات، (۲) تزکیہ نفس، (۳) اور تعلیم کتاب وحکمت۔ اگر 'تلاوت آیات' سے مراد آیات واحکام الہیہ کی بندوں تک تبلیغ وترسیل ہے، اور بظاہر یہی مراد معلوم پڑتا ہے کیونکہ مجرد تلاوت وقراءت آیات کرنا ایسا قابل ذکر نہیں کہ اسے اس اہتمام سے بیان کیا جائے، تو یہ کار نبوت کے ساتھ خاص ہے (والله أعلم بمراده)۔ تزکیہ نفس اور تعلیم کتاب وحکمت کا فریضہ علمائے امت کو میراث نبوی میں ملا، جسکی ادائیگی کے لئے انھوں نے مختلف علوم وفنون کی تدوین کی، تصوف بھی انھیں میں سے ایک ہے جس نے تزکیہ نفس کے فریضے کو اپنے ذمہ لیا۔ شیخ احمد زروق متوفی ۸۹۹ھ فرماتے ہیں کہ:

> التصوف علم قصد لِاصلاح القلوب و اِفرادها لله عما سواه ، و الفقه لاصلاح العمل و حفظ النظام ، و ظهور الحكمة بالأحكام ، و الأصول "علم التوحيد" لتحقيق المقدمات بالبراهين و تحلية الِايمان بالِايقان كالطب لحفظ الأبدان و كالنحو لِاصلاح اللسان اِلى غير ذلك"(۱)
>
> (تصوف وہ علم ہے جس کا مقصود دلوں کو ماسوی اللہ سے پھیر کر صرف اللہ کے لئے خاص کر دینا ہو۔ اور فقہ عمل کی اصلاح، نظم نسق کی حفاظت، اور احکام کے ذریعے حکمت کے ظہور کے لئے ہے، اور علم کلام کا مقصود دلائل کے ذریعے ایمانی مقدمات کو ثابت کرنا، اور ایمان کو یقین سے مزین کرنا ہے۔ جیسے علم طب بدن کی اصلاح اور نحو زبان کی اصلاح کے لئے ہے، اور اسی طرح دوسرے علوم)

نفس کے تزکیہ واصلاح پر ہی انسانی صلاح وفلاح کا مدار ہے، قرآن فرماتا ہے ''قد أفلح من زكّها ، و قد خاب من دسّها '' (الشّمس: ۹، ۱۰) بیشک کامیاب وہ ہوا جس نے اپنے نفس کا تزکیہ کیا یعنی اسکی صفائی کی، اور ناکام وہ ہوا جس نے اسے آلودہ کیا، اور انسان کا یہ نفس اپنی سرشت کے اعتبار سے تمرد،

سرکشی اور طغیان کی طرف مائل ہے، جیسا کہ اسکے خالق نے اسکی کنہ وطبیعت کے بارے میں فرمایا ہے: ''اِن النفس لأمارة بالسوء ''(یوسف: ۵۳) بیشک نفس برائیوں کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے، لیکن یہ نفس قابل اصلاح ہے، تزکیۂ ومجاہدہ کے ذریعے نفس امارہ بالسوء مرحلہ وار نفس لوامہ، نفس مطمئنہ، اور اخیر میں نفس راضیہ ومرضیہ میں تبدیل ہو جاتا ہے، جس کا ٹھکانہ جنت ہوتی ہے، "و أما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فإن الجنة هى المأوى" (النازعات: ۴۰، ۴۱) اور نفس امارہ کو نفس راضیہ ومرضیہ میں تبدیل کرنے کے علم یا منہج وطریقۂ کار کو تصوف کہتے ہیں۔ یہ ایک اصطلاح ہے، عہد صحابہ وتابعین کرام کے بعد بے شمار اصطلاحیں وجود میں آئی ہیں، تصوف کو صرف اسلئے رد کرنا کہ یہ ایک نئی اصطلاح ہے معقول و مناسب نہیں ہے۔ اہمیت لفظ یا اصطلاح کی نہیں بلکہ حقیقت کی ہوتی ہے، اہل تصوف اس لفظ کو بول کر وہ علم مراد لیتے ہیں جو تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب، تطہیر اخلاق، اور تعمیر ظاہر و باطن کر کے مرتبۂ ''احسان'' کا حصول کرا سکے۔ آپ اسے تصوف نہ کہئے، روحانی اسلام کہئے، حدیث شریف میں وارد لفظ کی رعایت میں، احسان کہئے، اسلام کا باطنی پہلو یا نظریۂ اخلاق کہئے یا کچھ اور کہئے بشرطیکہ وہ تصوف کی حقیقت سے ہم آہنگ ہو، تصوف کو نہ کسی لفظ واصطلاح پر کوئی اصرار ہے نہ کسی مناسب لفظ واصطلاح پر کوئی اعتراض ہے۔

الفاظ کے پیچوں میں الجھتے نہیں دانا　　غواص کو مطلب ہے صدف سے کہ گہر سے

اصطلاح کی حیثیت صرف عنوان کی ہوتی ہے، یہ مقصود بالذات نہیں ہوتی ہے، نہ فی نفسہ اس کی کوئی اہمیت ہوتی ہے، اہمیت اس اصطلاح کے مدلول، اسکے مفہوم، اور اس مفہوم کے ابلاغ (Communication) کی ہوتی ہے۔ علوم اسلامیہ: حدیث، تفسیر اور فقہ وغیرہ میں قرون اولی کے بعد بے شمار اصطلاحات ایجاد ہوئیں، لیکن کیا کوئی ذی ہوش انہیں یہ کہہ کر رد کر سکتا ہے کہ یہ عہد رسول ﷺ یا عہد صحابہ میں نہیں تھیں۔ کیا اسلام کے پورے تشریعی نظام کو صرف اس بنیاد پر رد کر دیا جائے کہ اس میں استعمال ہونے والی اصطلاحات جدید ہیں؟

تصوف کی تعریف:

شیخ احمد زروق فرماتے ہیں کہ:

''مختلف طریقوں سے تصوف کی تعریف وتفسیر کی گئی ہے، جن کی تعداد دو ہزار تک پہنچتی ہے۔ ان تمام تعریفوں کا مقصد صرف یہ ہے کہ صدق دل سے اللہ کی طرف متوجہ ہونا ہی تصوف ہے، اس توجہ اور انابت الی اللہ کے مختلف طریقے ہیں.....''(۲)

قاضی زکریا انصاری متوفی ۹۲۹ھ اسکی فنی تعریف کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''التصوف علم تعرف به أحوال تزكية النفوس و تصفية الأخلاق و تعمير الظاهر و الباطن لنيل السعادة الأبدية''(۳)

(تصوف ایسا علم ہے جس کے ذریعہ تزکیۂ نفوس، صفائی اخلاق اور ظاہر و باطن کو آباد کرنے

اورسنوارنے کے احوال کو جانا جاتا ہے تا کہ ابدی سعادت حاصل کی جاسکے۔)

امام جنید بغدادی متوفی ۲۹۷ھ فرماتے ہیں کہ:

''التصوف استعمال كل خلق سني و ترك كل خلق دنئ''(۴)

(تمام اچھے اخلاق کو اختیار کرنا اور برے اخلاق کو ترک کرنا تصوف ہے)

ابوالحسن شاذلی متوفی ۶۵۶ھ کا ارشاد ہے:

''التصوف تدريب النفس على العبودية و ردها لأحكام الربوبية '' (۵)

(نفس کو عبادت کی مشق کرانا اور اسے احکام الٰہی کی طرف پھیرنا تصوف ہے۔)

تصوف کی ان تعریفات سے اسکی حقیت اور غرض وغایت دونوں واضح ہوجاتی ہیں، رہا لفظ کا لغوی معنی اور اس کا اشتقاق تو یہ کچھ زیادہ اہم نہیں، کیونکہ 'تصوف' اس قدر مشہور ومعروف ہے کہ وہ اپنی تعریف میں کسی قیاس لفظی یا ضرورت اشتقاق کا محتاج نہیں ہے۔مختلف اقوال کے مطابق یہ لفظ ''صوفہ'' (اون کا ٹکڑا) یا ''صفہ'' (صفت) یا ''صفا'' (صفائی و پاکی) یا ''صفہ'' (مسجد نبوی سے متصل چبوترہ) یا ''صفوہ'' (خلاصہ) یا ''صف'' سے مشتق ہے۔

تصوف کا نشو وارتقا:

تصوف کی بنیاد کتاب وسنت ہے، محدث محمد صدیق غماری نے ایک استفتا کے جواب میں فرمایا کہ:

''رہا یہ سوال کہ تصوف کی بنیاد کس نے ڈالی تو جان لو کہ اس کی بنیاد وحی آسمانی سے ہے جیسا کہ دین محمدی میں جو کچھ ہے سب کی بنیاد وحی الٰہی نے ڈالی ہے، بلاشبہ تصوف وہی ہے جسے حدیث شریف میں احسان کہا گیا ہے، احسان دین کے تین ارکان میں سے ایک رکن ہے، (حدیث جبریل میں) رسول اللہ ﷺ ان تینوں کو ایک ایک کر کے ذکر کیا اور پھر فرمایا کہ:''هذا جبريل أتاكم يعلمكم دينكم'' یہ جبریل علیہ السلام تھے جو تمھیں تمھارا دین سکھانے آئے تھے۔ان تینوں (ارکان) کا نام ایمان، اسلام اور احسان ہے۔ ایمان نور وعقیدہ کا نام ہے، اسلام اطاعت وعبادت ہے اور احسان مقام مراقبہ ومشاہدہ ہے۔احسان کی تشریح رسول اللہ ﷺ نے ان الفاظ میں کی ہے: '' أن تعبد الله كأنك تراه فإن لم تكن تراه فإنه يراك'' اللہ کی عبادت اس طرح کرو گویا تم اسے دیکھ رہے ہو اور اگر تم اسے نہیں دیکھ سکتے تو یہ تصور کرو کہ ہو تمھیں دیکھ رہا ہے''(۶)

تصوف اور علم تصوف میں تمیز نہ کرنے والے حضرات اکثر یہ سوال کرتے ہیں یہ عہد صحابہ میں کیوں نہیں تھا، اگر مراد علم تصوف ہے تو اس عہد میمون میں اس کی ضرورت ہی نہ تھی بالکل اسی طرح جیسے علم تفسیر، علم حدیث، علم کلام، اور علم اصول فقہ وغیرہ نہ اس عہد میں تھے نہ انکی ضرورت تھی، صحابہ کی مثال تو اس خالص

عربی شخص جیسی ہے جسے عربی زبان وادب کا ذوق وسلیقہ وراثت میں ملا ہواور جو محض اپنی فطری استعداد کے سبب نہایت فصیح و بلیغ شعر کہنے پر قدرت رکھتا ہو باوجود یکہ نہ اسے زبان کے قواعد کا کوئی علم ہوتا ہے، نہ وہ فن شعر گوئی سے واقف ہوتا ہے کیونکہ اس کے سلیقے اور فطری استعداد کو ان علوم کی حاجت ہی نہیں ہوتی ہے، نحو وصرف ، معانی ، بیان اور عروض وغیرہ کی ضرورت تو اس وقت پڑی جب زبان بگڑ گئی ، یا انھیں انکی ضرورت پیش آئی جو اہل زبان نہیں تھے۔

اور اگر مراد تصوف ہے تو یہ بلا شک وشبہ عہد صحابہ میں موجود تھا، صحابۂ کرام اگر چہ صوفی نہیں کہلائے مگر عملا صوفی ہی تھے، خود مرشد اعظم ﷺ نے ان کا تزکیہ فرمایا تھا، ان کو مجاہدۂ نفس یا ''جہاد اکبر'' کی تربیت دی تھی اور انھیں مرتبۂ احسان تک پہنچایا تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ کتاب وسنت کے بعد تصوف انھیں نفوس قدسیہ کی سیرت وسلوک سے ماخوذ ہے۔

قرون اولی کے بعد جب لوگوں کے نفوس بگڑنے لگے ، اور مختلف قومیں دائرۂ اسلام میں داخل ہونے لگیں تو دوسرے علوم کی طرح اہل تصوف نے بھی علم تصوف کی تدوین کا کام کیا ، ابن خلدون متوفی ۸۰۸ھ اپنے 'مقدمہ' میں لکھتے ہیں کہ:

> ''تصوف قرون ثلاثہ کے بعد پیدا ہونے والے علوم شرعیہ میں سے ہے۔ اس کی اصل یہ ہے کہ ان حضرات کا راستہ وہی ہے جس پر صحابۂ کرام ، تابعین اور ان کے بعد سلف صالحین تھے۔ بلا شبہ یہ حق وصداقت کا راستہ ہے۔ اور اس راستہ کی بنیاد ان چیزوں پر ہے : عبادت الٰہی میں مشغولیت، سب سے کٹ کر اللہ کی طرف توجہ، دنیا کی آرائش وزینت سے اعراض، مرغوبات دنیا: مال ودولت اور جاہ وحشمت وغیرہ سے کنارہ کشی، مخلوق سے علیحدگی اور عبادت کے لئے خلوت وغیرہ، صحابہ اور سلفِ صالحین کے اندر یہ باتیں عام طور پر موجود تھیں مگر جب دوسری صدی کے بعد دنیا داری میں اضافہ ہوا، اور لوگ دنیا میں آلودہ ہو گئے تو عبادت پسند لوگ صوفیہ کے نام سے مخصوص ہو گئے''(۷)

مشہور فلسفی ومفکر کندی نے اپنی کتاب ''ولاۃ مصر'' میں ۲۰۰ھ کے واقعات کے تحت لکھا ہے کہ: اسکندریہ میں ایک جماعت ظاہر ہوئی ہے جنھیں صوفیہ کہا جاتا ہے، یہ جماعت نیک کاموں کی دعوت دیتی ہے ۔اس کی تائید ''مروج الذہب'' مین مسعودی کی نقل کردہ یحی بن اکثم کی روایت سے بھی ہوتی ہے، وہ کہتے

ہیں کہ: ایک دن میں مامون کے دربار میں بیٹھا ہوا تھا کی حاجب نے آ کر اطلاع دی کہ دروازے پر ایک شخص سفید اور موٹا لباس پہنے ہوئے کھڑا ہے، اور مناظرے کے لئے اندر آنا چاہتا ہے، تو میں سمجھ گیا کہ وہ کوئی صوفی ہے، اور سب سے پہلے جو شخصیت صوفی کے نام سے مشہور ہوئی وہ شخصیت ابو ہاشم صوفی کی تھی، جنکا انتقال ۱۵۰ھ میں ہوا ہے۔(۸)

ابو ہاشم صوفی کے فضل وکمال کا اندازہ ابوسفیان ثوری کے اس قول سے ہوتا ہے کہ:"لو لا أبو هاشم الصوفی ما عرفت دقيق الرياء"(اگر ابو ہاشم صوفی نہ ہرتے تو میں ریا کی باریکیوں کو نہ جان پاتا)۔صاحب نفحات الانس لکھتے ہیں کہ: ابو ہاشم صوفی نے ہی پہلی خانقاہ تعمیر کرائی، یہ خانقاہ رملہ (فلسطین) میں قائم تھی۔عہد تابعین میں اس لفظ کا استعمال اور بھی ملتا ہے، عوارف المعارف کے مطابق، حسن بصری فرماتے ہیں کہ: ''رأيت صوفيافی الطواف فاعطيته شيئافلم يأخذو قال معی أربعة دوانيق يكفينی ما معی" (میں نے دوران طواف ایک صوفی کو دیکھا تو اسے کچھ دیا، اس نے اسے نہیں لیا اور بولا کہ: میرے پاس چار دوانیق ہیں، اور جب تک یہ میرے پاس ہیں میرے لئے کافی ہیں)(۹)

لفظ''صوفی'' کے یہ بے ساختہ استعمالات اس بات کی دلیل ہیں کہ عہد تابعین میں یہ اصطلاح کافی معروف ہوگئی تھی، لوگ اسے بلا تکلف استعمال کرتے تھے، اور اس یقین کے ساتھ استعمال کرتے تھے کہ سننے والے کو کوئی دشواری نہ ہوگی۔

ابوالقاسم قشیری نیشاپوری متوفی ۴۶۵ھ لکھتے ہیں کہ:

"اعلموا ، رحمكم الله تعالى،أن المسلمين بعد رسول الله ﷺ: لم يتسم أفاضلهم فی عصرهم بتسميةعَلم، سوى صحبة رسول الله ﷺ؛ اِذ لافضيلة فوقها، فقيل لهم : الصحابة۔

ولماأدركهم أهل العصر الثانی سُمی من صحب الصحابه : التابعين ، و رأوا فی ذالك أشرف سمة ثم قيل لمن بعدهم : أتباع التابعين ، ثم اختلف الناس ، و تباينت المراتب ، فقيل لخواص الناس ممن لهم شدة العنايةبأمر الدين : الزهاد و العباد، ثم ظهرت البدع ، و حصل التداعی بين الفرق ، فكل فريق ادعوا أن فيهم زهادا۔

فانفردخواص أهل السنة المراعون أنفاسهم مع الله تعالى ، المحافظون قلوبهم عن طوارق الغفلة باسم "التصوف" ، واشتهر هذا الاسم لهؤلاء الأكابر قبل المأتين من الهجرة" (۱۰)

(جان لو! اللہ تعالی تم پر رحمت فرمائے، کہ رسول اللہ ﷺ کے بعد مسلمانوں کے اکابرین نے صحبت رسول کے علاوہ اور کسی نسبت سے اپنی شناخت نہیں کرائی، اس لئے کہ صحبت رسول سے بڑھ کر اور کوئی فضیلت نہیں ہے۔ چنانچہ انھیں صحابی کہا گیا۔

جب دوسرا قرن آیا تو صحابہ کی صحبت پانے والوں کو تابعین کہا گیا، اور انھیں یہی سب سے شرف والی شناخت لگی، اور تابعین کے بعد والوں کو تابع تابعین کہا گیا۔

پھر لوگ مختلف درجوں کے ہو گئے، اور ان کے مراتب میں فرق پیدا ہو گیا تو دینی امور میں شدید دلچسپی رکھنے والوں کو زہاد و عباد کہا گیا، پھر بدعتوں کا ظہور ہوا، اور فرقوں میں اختلاف پیدا ہوا، اور ہر فرقے نے اپنے یہاں زاہدوں اور عابدوں کے ہونے کا دعوی کیا تو خواص اہل سنت جو اللہ کے ساتھ اپنے انفاس کا پاس رکھنے والے تھے، اور جو اسباب غفلت سے اپنے دلوں کی حفاظت کرنے والے تھے، تصوف کے نام سے علیحدہ ہو گئے۔ اور دوسری صدی ہجری سے قبل ہی ان بزرگوں کے لئے یہ نام مشہور ہو گیا۔)

شاہ ولی اللہ نے تاریخ تصوف کو چار مراحل میں تقسیم کیا ہے:

پہلا مرحلہ۔۔۔اس میں احسان تصوف کا لب لباب تھا۔

دوسرا مرحلہ۔۔۔جنید بغدادی سے شروع ہوتا ہے، اس میں اللہ تعالی سے ربط قائم کرنے پر خاص زور دیا گیا۔

تیسرا مرحلہ۔۔۔ابوسعید ابوالخیر کا عہد ہے، جس میں صوفیہ اعمال و احوال سے گزر کر جذب کی منزل تک پہنچے۔

چوتھا مرحلہ۔۔۔محی الدین ابن عربی کا عصر ہے، اس میں حقائق کی طرف خصوصی توجہ مبذول ہوئی۔ (۱۱)

تصوف کی اہمیت وضرورت:

شریعت کے احکام جن کی بجا آوری کا انسانوں کو حکم دیا گیا دو قسم کے ہیں: ایک وہ احکام ہیں جن کا

تعلق انسان کے بدن سے ہے، اور دوسرے وہ احکام جن کا تعلق اس کے قلب سے ہے۔ بدن سے متعلق احکام دو طرح کے ہیں: اوامر، ونواہی۔ اوامر جیسے: نماز، روزہ، زکاۃ اور حج، اور نواہی، جیسے: قتل، چوری، زنا اور شراب نوشی وغیرہ۔ دل سے متعلق احکام بھی اوامر ونواہی میں منقسم ہیں، اوامر، جیسے: اللہ تعالی، اسکے رسولوں، فرشتوں، اسکی کتابوں اور آخرت پر ایمان لانا، خشیت، توکل، صدق، رضا اور اخلاص وغیرہ، اور نواہی جیسے: کفر، نفاق، کبر، ریا، بغض، حسد اور خود پسندی وغیرہ ہیں۔

شریعت کی نظر میں دل سے متعلق احکام زیادہ اہم ہیں کیونکہ انھیں پر بدن کے اعمال کی صحت کا دار ومدار ہے، حدیث شریف میں ہے:

"اِن فی الجسد مضغة اِذا صلحت صلح الجسد کله و اِذا فسدت فسد الجسد کله ، ألا و هی القلب"(۱۲)

(بیشک بدن میں ایک ٹکڑا ہے اگر یہ درست ہے تو پورا بدن درست ہے اور اگر یہ فاسد ہے تو پورا بدن فاسد ہے، ہشیار رہو! یہ ٹکڑا دل ہے۔)

"اِن الله لا ینظر اِلی أجسادکم و لا اِلی صورکم ولکن ینظر اِلی قلوبکم"(۱۳)

(اللہ تعالی نہ تمہارے جسموں کو دیکھتا ہے، نہ چہرون کو دیکھتا ہے وہ صرف تمہارے دلوں کو دیکھتا ہے)

لہذا دنیا میں اعمال کی صحت اور آخرت میں فلاح ونجات کا دارومدار دل کی صحت وسلامتی پر ہے۔ اسی سے قلب اور اس سے متعلق احکام کی اہمیت ظاہر ہے۔ احکام قلبیہ کی اہمیت کی ایک اور وجہ ہے وہ یہ کہ قلب کے امراض وعیوب نہایت خفیہ ہوتے ہیں جن کا ادراک مشکل سے ہوتا ہے، بلکہ کبھی کبھی تو انسان دل کے نقص وعیب کو کمال وہنر سمجھے بیٹھا رہتا ہے۔

تصوف انہیں امراض قلب اور عیوب نفس کا معالج وطبیب ہے۔ وہ تزکیۂ ومجاہدہ کے ذریعے ان امراض وعیوب سے دل کو پاک کر کے اسے پسندیدہ اور مطلوب صفات سے آراستہ و پیراستہ کرتا ہے۔ تصوف صرف وظائف پڑھنے، حلقات ذکر منعقد کرنے یا وجود کی بحثوں کا نام نہیں ہے۔ بلکہ یہ باطن کی تعمیر کا ایک جامع فکری نظام اور عملی طریقہ ہے۔

اس نقطۂ نظر سے اسلامی معاشرے کا ہر فرد تصوف کا محتاج ہے۔ اسلامی معاشرے کے لئے ایسے افراد کی ضرورت ہے جو صاحب اخلاق وکردار، روحانی الذہن اور شعوری طور پر نیکی وبھلائی کی جانب مائل و راغب ہوں۔ گویا ہر طرح کے نفسانی اختلال وانحراف سے پاک وصاف ہوں۔ اور اس کے لئے ضروری ہے کہ انسانی نفس کا تزکیہ ہو کیونکہ غیر مزکی نفس سے کسی خیر کی توقع نہیں کی جاسکتی ہے اور وہ ہمیشہ انسان کو

برائیوں کی طرف لے جاتا ہے"اِن النفس لأمارة بالسوء" یوسف:۵۳ (نفس انسانی برائیوں کا بہت زیادہ حکم دینے والا ہے) نفس کے اس مزاج اور طبیعت کو کیسے بدلا جائے؟ اس کے لئے خود خالق نفس نے علاج تجویز فرمایا ہے اور وہ علاج ہے تزکیہ "قد أفلح من زکّٰها" الشّمس:۹ (اس نے فلاح پائی جس نے نفس کا تزکیہ کیا)۔

تصوف اسی تزکیہ کا ایک نام ہے۔ لہذا اسلامی معاشرے کے وجود، بقا اور صحت مند ارتقا لئے تصوف کی اہمیت وضرورت ہر شک وشبہ سے بالاتر ہے۔

مراجع:

۱۔ قواعدِ تصوف، مطبوعہ مصر: غیر مؤرخ، قاعدہ:۱۳، ص/۶.
۲۔ نفس مرجع، ۲.
۳۔ شرح الرسالۃ القشیریۃ، مصطفیٰ بابی حلبی، مصر: غیر مؤرخ، ۷.
۴۔ مصطفیٰ مدنی، النصرۃ النبویۃ، مطبعہ عامریہ، مصر:۱۳۱۶ھ، ۲۲.
۵۔ حامد صقر، نور التحقیق، مطبعہ دار التالیف، مصر:۱۳۶۹ھ، ۹۳.
۶۔ الانتصار لطریق الصوفیہ، مطبعہ دار التالیف، مصر: غیر مؤرخ، ۶.
۷۔ مقدمہ "العبر"، مطبعہ بہیہ، مصر: غیر مؤرخ، ۳۲۹.
۸۔ محمد صدیق غماری، الانتصار لطریق الصوفیہ، مرجع سابق، ۱۷، ۱۸.
۹۔ بحوالہ محمد طاہر قادری، حقیقت تصوف، منہاج القرآن پبلیکیشنز، لاہور: بار پنجم، ۱۹۹۹، ۱۴۹، ۱۵۰.
۱۰۔ الرسالۃ القشیریہ، تحقیق: عبد الحلیم محمود ومحمود بن الشریف، دار الکتب الحدیثۃ، مصر: بار اول؛ ۱۹۶۶ء، ۱: ۴۹، ۵۰.
۱۱۔ محمد یاسین مظہر صدیقی، الشاہ ولی اللہ الدہلوی، عرض موجز لحیاتہ وفکرہ، عربی ترجمہ: سید علیم اشرف جائسی، شاہ ولی اللہ ریسرچ سیل، ادارۂ علوم اسلامیہ، مسلم یونیورسٹی، علیگڑھ: بار اول؛ ۲۰۰۱ء، ۱۷، ۲۷.
۱۲۔ صحیح البخاری، کتاب الایمان، حدیث رقم:۵۰؛ وصحیح مسلم، کتاب المساقاۃ، حدیث رقم:۲۹۹۶، عن النعمان بن بشیر.
۱۳۔ صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ، حدیث رقم:۴۶۵۰، عن ابی ہریرۃ.